JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 14, Issue: 01, July – December 2020

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

مغلیہ عہد میں مظلوم کی دادرسی کے لیے بادشاہوں کے اقدامات عدل کا جائزہ

Analysis of Justice to the oppressed in Mughal's Period

Najma Parveen*
Research Scholar, Department of Islamic Studies, Lahore College for Women University, Lahore.

Dr. Mohsina Munir**
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Lahore College for Women University, Lahore.

Abstract

The attributes of Hindu rulers in the Indian subcontinent that led to their downfall were their cruel and abusive attitudes which first inflicted their own religions and compatriots. Hindu oppressors ruled their oppressors in every way. This was the practice of the rulers of India at the time of the arrival of the Muslims. On the contrary, the Muslim traditions here gave the oppressed the right to both the end of the atrocities and to the oppressed. Thus, not only did the concessions delight them, but Islam became the largest religion here. Examples can be exemplified, especially in the context of the Mughal rulers who did not rule for long, simply by force, but by providing justice to the concessions, which seemed always busy for their happy life. The Mughal government has uniquely positioned itself in the history of books in the management of oppression. This paper aims to highlight the practical efforts of Mughal emperors in this regard with the help of authentic historic evidences.

Keywords: *Muslim, Mughal, Empire, Oppressed, Justice.*

تمہید

اسلام میں ریاست کے قیام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک قیام عدل کو یقینی بنانا ہے۔ قران و سنت کی روشنی میں ریاست کے اصول و قوانین کی تشکیل اس ترتیب سے کی گئی ہے کہ معاشرے کی تعمیر مبنی بر عدل ہو اور اس میں کوئی فرد کسی قسم کے ظلم کا شکار نہ ہو۔ سورۃ

CC BY

الحدید کی آیت نمبر 25 میں انبیائے کرام کی بعثت کے ساتھ ہی الہامی قانون اور میزان کے نزول کا ذکر کیا گیا ہے جس کا مقصد قیام عدل بتایا گیا ہے۔ قیام عدل کے آفاقی اور عالمگیر نظام کے بعد ریاست کے ہر فرد کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ دوسرے افراد پر ظلم کرنے کے مرتکب نہ ہوں نیز ظالم کو ظلم کرنے سے روکنے کی لیے بھی اپنا کردار ادا کریں۔ یہی نہیں بلکہ ظالم کے ظلم میں اس کی ذرا بھی مدد نہ کریں اور مظلوم کی دادرسی کے لیے تیار رہیں۔ سورۃ ھود کی آیت نمر 113 میں اس بات کی واضح تنبیہ گئی ہے کہ اگر کسی نے ظالم کے ظلم کے تحفظ کے لیے ذرا بھی عمل کیا تو وہ جہنم کا حق دار ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ سے دور ہو جائے گا۔ قرآن مجید اور سیرت طیبہ ﷺ سے ہمیں مظلوم کی مدد اور ظالم کی گرفت کے ضمن میں واضح رہنمائی ملتی ہے۔انفرادی اور اجتماعی سطح پر اس حوالے سے اقدامات کرنے سے ہی انسانوں کی زندگی محفوظ اور مامون رہتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ ظلم کے رد عمل میں دو طرح کے رویے ابھرتے ہیں ایک تو ظلم کو سہنا اور دوسرا ظلم کے خلاف احتجاج۔ اسلام میں ترجیحی بنیاد پر پہلے ظلم کی روک تھام کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر مظلوم کو یہ حق دیا گیا ہے کہ جب ظلم کا شکار ہو تو وہ ظلم کرنے والے کے خلاف آواز بلند کرے اور اس کے خلاف حرف شکایت زبان پر لائے۔ ایسا کرنے میں اس کی مدد حکومتی سطح پر کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔اس طرح مظلوم کو انصاف دلانے کی غرض سے قرآن مجید میں درج ذیل انداز میں حکم دیا گیا ہے:

يٰٓاَيُّها الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى[1].

”اے ایمان والو، اللہ کے لیے انصاف کے مطابق گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اتنا غضب ناک نہ کر دے کہ تم انصاف کو ترک کر دو، عدل کرو یہی تقویٰ کے سب سے قریب ہے۔“

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں اس امر کی جانب واضح اشارہ کیا ہے کہ اسلامی طرز حکومت کے فرائض اولین میں سے ایک قیام عدل کو یقینی بنانا ہے تاکہ فرد کے حقوق کی حفاظت ہو اور وہ ظلم و زیادتی کا نشانہ بننے سے بچا رہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت کا انتظام کرنے سے ہی حکومت کے قیام کے بنیادی مقصد میں کامیابی ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔ [2]حکومتی سطح پر ظالم کی گرفت کرنا کس حد تک ضروری ہے، اس کا اندازہ رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے کہ لوگ جب کسی ظالم کو ظلم کرتا دیکھیں اور اسے بزور نہ روکیں تو بعید نہیں کہ اللہ ان پر عذاب عام نازل نہ کر دے۔ [3]اسی طرح ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم"۔ عرض کیا گیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ وہ مظلوم ہو تو ہم اس کی مدد کریں گے مگر ظالم ہو تو کیسے مدد کریں؟ "فرمایا: "اسے ظلم کرنے سے روک دو"۔ [4]اہل لغت اور اکثر علماء کے نزدیک "ظلم" سے مراد ہے کسی چیز کو اس کے مخصوص مقام پر نہ رکھنا خواہ کمی کرکے یا حد سے بڑھ کر ایسا کرے یا کسی چیز کو اس کی اصلی جگہ سے ہٹا کر ایسا کرے۔ انسان اپنے عمل کے لحاظ سے درج ذیل تین طرح کا ظلم کرتا ہے، اللہ پر افتریٰ، انسان کا انسان پر ظلم، انسان کا اپنے نفس پر ظلم۔

انسانی معاشرت میں ظلم ایک انسان کا دوسرے انسان کی حق تلفی کرنا ہے۔ دوسروں کے حقوق غصب کرنے اور دوسروں پر ظلم و زیادتی کے دو محرکات ہیں جن کی بدولت انسان نیکی کا راستہ چھوڑ دیتا ہے۔

۱۔ ظلم کا پہلا محرک اپنا ذاتی نفع یا عزیزوں، دوستوں کا مفاد ہوتا ہے۔

۲۔ ظلم کا دوسرا محرک دوسروں کے ساتھ دشمنی ہے۔ سورہ المائدہ کی آیت ۹ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر حال میں انصاف کی روش اختیار کریں چاہے دشمن کے حقوق ہی کا معاملہ کیوں نہ ہو جب کہ سورہ النساء کی آیت ۱۳۵ میں انہیں حکم دیا گیا ہے کہ ذاتی قرابت داری اور تعلقات کو انصاف کے راستے میں حائل نہ ہونے دیا جائے اور انصاف کرتے وقت کسی فریق کے حق میں بھی جانب داری نہ کی جائے۔ رسول کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے اعمال کی ادائیگی کرتے ہوئے حتی الامکان کوشش کی جائے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی عملی کوشش یہ کی جائے کہ کسی پر ظلم نہ ہونے دیا جائے۔ اس طرح اسلامی ریاست ایسے اقدامات کرے کہ ظلم کی روک تھام ہو اور پھر بھی اگر کسی پر ظلم ہو جائے تو مظلوم کی داد رسی کا انتظام کیا جائے۔ اس کی مثال اسلامی حدود و تعزیرات کا نظام ہے جس کے کلیدی مقاصد میں سے ایک مظلوم کی داد رسی کے لیے قیام عدل کا عملی مظاہرہ کرنا ہے۔ اس نظام کے ذریعے اسلامی ریاست و حکومت نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت کو عملاً نافذ کرنا ہوتا ہے۔[5] عہد نبوی ﷺ اور عہد خلافت راشدہ سے رہنمائی لیتے ہوئے بعد کی اسلامی سلطنتوں نے سزاؤں کے نفاذ کے نظام کو جاری رکھا جو اس امر کی ایک دلیل ہے کہ مسلمان فرماں روا قیام عدل کے لیے عملی اقدامات کرتے رہے۔

رسول اکرم ﷺ جب کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی علاقے میں اختیار دے کر روانہ فرماتے تو انہیں اسلامی طرز پر نفاذ عدل کے اسالیب سکھا کر بھیجا کرتے جیسا کہ رسول اللہؐ نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ آسانی دو اور مشکل نہ دو، بشارت دو اور نفرت نہ دلاؤ اور آپس میں اتفاق قائم رکھو اور اختلاف نہ کرو۔[6] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمال کو جن شرائط کا پابند کر رکھا تھا ان میں ترکی گھوڑے کی سواری نہ کرنا، میدہ کی روٹی نہ کھانا، باریک کپڑے نہ پہننا اور حاجت مندوں پر اپنے دروازے کھلے رکھنا شامل تھیں۔[7] عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں طاقت ور کی جانب سے کمزور پر ظلم و زیادتی کا ایسا کوئی واقعہ نہ ہوا جب کہ دربار رسالتؐ یا دربار خلفائے راشدین میں اس کی نہ سنی گئی ہو۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص پیلا خضاب لگا کر آیا، آپ ﷺ نے کھجور کی شاخ اس کے پیٹ میں چبھوئی اور پیلا خضاب لگانے سے منع فرمایا اس نے کہا کہ میں بدلہ لوں گا آپ ﷺ نے فوراً فرمایا کہ بدلہ لے لو لیکن اس نے بدلہ لینے کے بجائے آپ ﷺ کے پیٹ کا بوسہ لے لیا۔[8]

مظلوم کا قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر ظالم (خواہ وہ کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو) کے خلاف اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اوائل اسلامی ادوار میں معاشرت کو عدل و انصاف کی فراہمی کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا تھا۔ یہ بنیاد اس قدر مضبوط تھی کہ بعد کے آنے والے مسلم حکمرانی کے ادوار میں بھی بادشاہوں کی سلطنتیں عدل و انصاف کی فراہمی کی وجہ سے مضبوط اور قائم رہتیں اور جب بے انصافی اور ظلم بڑھتا تو بادشاہتیں قائم نہ رہ پاتیں۔ حالیہ مقالے میں جس مسلمان بادشاہت کا اس ضمن میں جائزہ لیا جا رہا ہے وہ ہے بر صغیر پاک و ہند میں مغلیہ بادشاہت۔ اس مقالے میں مغلیہ بادشاہت میں عام انسان کے مقام، رعایا اور بادشاہ کے تعلق کی بنیاد،

امراء و حکام کے پاس مظلوم کی رسائی، ظلم کے خلاف مظلوم کے آواز اٹھانے کے جانب توجہ دی جائے گی۔ نتیجے کے طور پر مظلوم کو انصاف ملنے کے لیے جو مقامات و طریقہ کار تاریخ کی کتب میں ملتے ہیں ان کے مطالعے کی مدد سے مغل حکمرانوں کی ترجیحات کو سامنے لایا جائے گا۔

مغلیہ عہد کی تاریخ کے اہم ماخذ

مغل بادشاہت کی تاریخ کے ابتدائی اور بنیادی ماخذ جن کی مدد سے مابعد کے مورخین نے کتب تاریخ تحریر کیں ان میں بابر نامہ[9]، ہمایوں نامہ[10] اور اکبر نامہ[11]، عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ[12] اور ماثر عالمگیری[13] وغیرہ شامل ہیں۔ آئین اکبری[14]، سر ٹامس رو[15]، ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن کی تاریخ[16] اور گبریل فیسٹنگ کی تاریخ[17] سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔ انگریز مورخین جو کہ کہیں کہیں تاریخ رقم کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیتے ان میں ڈوجارک، گلیڈون، الفنسٹن اور لین پول وغیرہ شامل ہیں۔

بادشاہ اور رعایا کا تعلق

مغل بادشاہت کی مضبوطی اور طویل مدت تک قائم رہنے کی ایک بنیادی وجہ بادشاہوں کا رعایا کے ساتھ تعلق کا مبنی بر عدل ہونا تھا۔ بابر سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک سب کی توجہ کمزور مظلوم انسان کا بادشاہ تک ظلم کے خلاف اپنی آواز پہنچانے کا انتظام کرنے کی طرف رہی۔ بادشاہ باوجود اپنی پر تعیش زندگی بسر کرنے کے عوام کو فراہمی انصاف اور ان کی عام زندگی میں بہتری لانے کے لیے عملی اقدامات کراتے رہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے وہ خود کو فیاض اور دریا دل ثابت کرتے، لوگوں میں خزانہ لٹاتے، خوراک غلہ تقسیم کراتے اور ان کے علاج معالجے، خوراک، کاروبار، ظلم سے بچاؤ، امراء کے برے سلوک سے بچاؤ، جان و مال اور عزت کے تحفظ، مذہبی آزادی وغیرہ کے لیے اقدامات کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ مغل بادشاہوں کے امور سلطنت میں یہی سرگرمیاں نمایاں نظر آتی ہیں۔ جنگ وجدل اور فتنہ و فساد کی روک تھام سے جو وقت اور فرصت انہیں ملی اس میں انہوں نے رعایا کی فلاح و بہبود کے کام انجام دیئے۔ مقالات شبلی میں مولانا سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں:

> ”مغل بادشاہوں نے اپنے نظام عدل سے پورے طور پر مطمئن کر رکھا تھا۔ وہ ایوان عام میں، عوام کی شکایات تو سنتے اور انصاف کرنے کی خاطر روزانہ دربار منعقد کرتے۔ انصاف کا طریقہ اتنا آسان تھا کہ ادنی آدمی بھی انصاف کے لیے بادشاہ کے پاس پہنچ سکتا تھا۔ جو بھی چاہتا دربار کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا استغاثہ پیش کر دیتا، دربار کے عہدے دار اس کو لے کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیتے بادشاہ پڑھوا کر سنتا، مدعی سے جرح کرتا اور پھر مناسب کارروائی کے بعد فیصلہ صادر کر دیتا۔“[18]

مغلیہ عہد میں مظلوم کی دادرسی کے اقدامات

مغلیہ عہد میں بر صغیر کے سیاسی حالات اگرچہ غیر مستحکم تھے لیکن پھر بھی بڑے قضاۃ اور فقہاء کرام پیدا ہوئے جو اپنے علم و فضل اور تقویٰ کی بناپر بر صغیر پاک و ہند میں دار السلطنت دہلی میں مناصب قضا پر متمکن رہے۔ ان کے ادوار میں دیوان، امرا، حکام، قضاۃ بہتر طور پر منظّم کیے گئے۔ قضا اور منتظمہ کے دوسرے شعبوں کے مابین اختیارات واضح طور پر معین کیے گئے۔ صوبہ میں قاضی القضاۃ مامور ہوتے تھے۔ صوبائی گورنر، صدر قاضی اور میر عدل مقرر تھے۔ کوتوال پولیس کے سربراہ اور مجسٹریٹ کے فرائض انجام دیتے۔ اہم مقدمات، خاندانی معاملات اور تقسیم وراثت کے فیصلے قاضیوں کے سپرد ہوتے، ضلعی قاضی اپنی مدد کے لیے چھوٹے مقامات کے لیے معاون قاضی مقرر کرتے تھے۔ مفتی بطور ملازم کام نہ کرتے، البتہ قضاۃ اپنی مشکلات کے حل کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ فوج کے شعبہ کے لیے علیحدہ قاضی مقرر ہوتے جو قاضی عسکری کہلاتے تھے۔[19] مغلوں کے ابتدائی عہد میں ہی مناصب قضا کا تا حیات باقی رہنے کا طریقہ ختم کر دیا گیا تھا۔ تبادلے کرنے اور نئے قاضی کے تقرر کرنے کا آغاز ہوا۔[20] مغل بادشاہ عدل و انصاف کے قیام کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے وہ رعایا کے حقوق کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے ہر علاقے میں قاضی مقرر کرتے جو عدالت کو شریعت اسلامی کے اصول و ضوابط کے مطابق چلانے کے لیے کوشاں رہتے۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے درمیان مساویانہ سلوک روا رکھا جاتا۔ مغل فرماں رواؤں نے بے لاگ عدل و انصاف کے قیام پر خاص توجہ دی۔ ہندو ہو یا مسلمان عیسائی ہو یا پارسی ان کے دربار میں جو بھی فریاد لے کر آتا وہ محروم و مایوس نہیں جاتا تھا۔ یوں تو بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں، عالمگیر سب ہی اس صف میں سرگرم نظر آتے ہیں۔ لیکن جہانگیر خاص طور پر اس ضمن میں اپنے خاندان میں ممتاز نظر آتا ہے اس کی زنجیر عدل وہ حقیقت ہے جس کو ماہرین علم اور مورخین نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔[21]

انسانی حقوق کی فراہمی کا بندوبست

بابر کی سلطنت میں ہندوستان کی اس وسیع و عریض مملکت میں کوئی سیاسی یکسانیت نہ تھی۔ مشکل سے کوئی قانون تھا جسے پورے ملک کے لیے عام قانون کہا جاتا تھا۔ وہاں بادشاہ کی اپنی مطلق العنان شخصیت اور اس کے اپنے احکامات پورے ملک کے لیے قانونی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے احکامات میں رعایا کے حقوق کی فراہمی کو نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا، بابر سے مغل بادشاہت کا بر صغیر میں آغاز ہوتا ہے۔ اس وقت سے مغل بادشاہوں کی نظر میں عام آدمی کے حقوق کی اہمیت کیا تھی؟ اس کا اندازہ بابر کی وصیت سے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے ہمایوں کو کی تھی:

> "ہندوستان میں رہنے والوں کے مختلف مذاہب ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ نے بڑی عنایت کی ہے کہ اس نے تمہیں اس ملک کی بادشاہت عطا کی ہے۔ جب تم امور سلطنت ادا کرو تو ذیل کے امور کا خیال رکھنا۔ مذہبی تعصب کو ہرگز اپنے دل میں نہ آنے دینا اور مختلف مذاہب والوں کے مذہبی جذبات اور مذہبی رسوم کا خیال رکھتے ہوئے بغیر کسی نرمی کے سب کے ساتھ پورا انصاف کرنا۔ کسی قوم کی عبادت گاہ مسمار نہ کرنا اور سب سے پورا انصاف کرنے میں دوام اختیار کرنا اس طرح بادشاہ اور رعیت کے تعلقات دوستانہ ہوں گے اور ملک میں امن و امان قائم ہو گا۔ اسلام کی اشاعت اسلام کا کام

ظلم و ستم کی تلوار کے مقابلے میں لطف واحسان کی تلوار سے بہتر ہو سکے گا۔ اپنی رعیت کے مختلف اوصاف کو سال کے مختلف موسم سمجھنا تاکہ تمہاری بادشاہت بگاڑ اور کمزوری سے محفوظ رہ سکے"۔[22]

مغل حکمرانوں نے عام آدمی کی نگہداشت کو اپنی سلطنت کی کامیابی کی کنجی قرار دیتے ہوئے اپنے امور سلطنت کو سنجیدگی سے انجام دیا۔ ان کے پیش نظر رواداری کا نظریہ رہا اور انہوں نے اس پر کاربند رہتے ہوئے تمام مذاہب کے لوگوں کو دربار میں باعزت مقام دیا۔ انہیں اعلیٰ عہدے بھی دیئے اور ان کی مذہبی آزادی نیز ان کے مال و جان کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔[23]

عوام کے لیے بنیادی سہولتیں

مغل حکمران بنیادی سہولتوں کی فراہمی کے لحاظ سے زیادہ مشہور نہیں ہیں مگر مطالعہ تاریخ سے اس بات کے قوی شواہد ملتے ہیں کہ مغلیہ عہد میں رعایا خوش حال تھی ۔ کاروبار کی کامیابی، کشادہ سڑکیں، جان و مال کی حفاظت کے لیے سڑکوں کے کناروں پر دروازے، پرندوں اور چوپائیوں کے ہسپتال، زیورات کی کثرت، باغات میں تفریح کے مواقع، مدارس اور خانقاہوں کا عام ہونا وغیرہ یہ سب مغل دور سلطنت میں نمایاں طور پر میسر تھا۔ گجرات ، آگرہ، لاہور اور احمد آباد وغیرہ اہم تجارتی مراکز میں شمار ہوتے تھے۔[24]

امراء کی جانب سے ظلم و ستم کا تدارک

یہاں ڈاکٹر بینی پرشاد کی تحقیق پیش کی جاتی ہے جو اس نے مغل نظام اور یورپی نظام کے درمیان تقابل کرتے ہوئے اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ اس کے مطابق مغل بادشاہت جو کہ طویل مدت تک قائم رہی اس کی مضبوطی طاقت کے زور اور استعمال کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس دور کے نظام کی وجہ سے تھی۔ ڈاکٹر پرشاد کے نزدیک مغلیہ دور ایک کثیر القومی دور تھا جس میں بادشاہ خود کسی ایک قوم سے نہ تھے اور نہ ہی ان کا جھکاؤ کسی ایک قوم کی فلاح کی طرف رہا۔ بابر ایک طرف سے چغتائی اور دوسری طرف سے مغل تھا۔ اکبر ایک طرف سے ایرانی تھا، جہانگیر ایک طرف سے راج پوت تھا اس طرح مغل فوج میں تمام ہی قومیتوں کے افسران تھے۔ یہاں قابل ذکر بات جو ڈاکٹر پرشاد لکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ مغل نظام میں امراء حقیقتاً سرکاری حیثیت رکھتے تھے۔ موروثیت ان میں بالکل نہیں تھی، باپ کا عہدہ بیٹے کو منتقل نہ ہو سکتا تھا نہ ہی باپ کی جائیداد پوری بیٹے کو ملتی بلکہ وہ بحق سرکار ضبط ہو جاتی اور خاطر خواہ حصہ اولاد اور ورثا کو اچھی زندگی بسر کرنے کے لیے ملتا اس کے برعکس یورپی ملک پولینڈ میں امراء کی خود غرضی نے ملک کو خانہ جنگی تک پہنچا دیا تھا۔ اس کے بجائے مغل دور میں امراء خالصتاً حکومت کے امور رعایا کی بہتری کے لیے انجام دیا کرتے نہ کہ ذاتی بہتری کے لیے۔ اسی کو مغل بادشاہوں کی قوت گردانا گیا ہے۔[25]

عہد شاہ جہاں کی اصلاحات اس ضمن میں بطور مثال پیش کی جاتی ہیں کہ بادشاہ اپنے امراء کا رعایا کے ساتھ سلوک کیسا دیکھنا چاہتے تھے:

1۔ کئی ناجائز محصولات جو محض عوام پر بوجھ کی حیثیت رکھتے تھے یک قلم موقوف کر دیئے گئے۔

2۔ رشوت لینے دینے کی سخت ممانعت کر دی۔

3۔ رہزنوں کی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے شاہراہوں کے کنارے سرائیں، کنویں اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ اس سے مسافروں کی جان و مال کی حفاظت کا بندوبست ہو گیا۔

4۔ رعایا کے وراثت کے معاملات میں سرکاری ملازموں کو مداخلت کرنے سے منع کر دیا اور لاوارث افراد کے ترکے کے انتظام کے لیے خاص ملازم مقرر کیے اور اس کا مصرف بھی بتا دیا۔

5۔ منشیات پر قطعی پابندی عائد کر دی۔

6۔ سرکاری ملازمین رعایا سے ان کے مکانات سرکاری ضرورت کی آڑ میں جبراً حاصل کر لیا کرتے تھے۔ جہانگیر نے ان کو سختی سے منع کر دیا۔

7۔ بعض بہیمانہ سزائیں مثلاً ناک، کان کاٹنا مکمل طور پر منسوخ کر دیا گیا۔

8۔ یہ بھی حکم دیا کہ صوبوں کے اعلیٰ حکام شاہی توثیق کے بغیر شادی نہ کریں۔

9۔ حفظان صحت کے لیے شاہی صرفہ سے تمام شہروں، قصبوں میں شفاخانے بنائے گئے۔ جہاں مفت دوائیں دی جاتی تھیں۔

10۔ تمام قیدی رہا کر دیئے گئے۔

11۔ کوئی جاگیر شاہی عامل یا اس کا ملازم رعیت کی کسی زمین کو چھین کر اس میں کاشت نہ کرے۔[26]

عہد جہانگیر میں اسلامی قوانین فوجداری پر سختی سے عمل کرایا جاتا۔ حدود و قصاص کے مقدمات میں سزائیں شریعت کے مطابق دی جاتی تھیں۔ امیر و غریب کا کوئی استثنا نہ تھا جیسا کہ ملکہ نور جہاں پر جب قتل کا الزام لگا پھر بھی بادشاہ کی جانب سے مقدمہ قاضی کی عدالت میں بھیجا گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ مقدمے کا فیصلہ شریعت کے مطابق کیا جائے اور کسی قسم کی نرمی اختیار نہ کی جائے۔ پھر شریعت کے مطابق اور خون بہا کے تحت مقتول کے وارثوں کو لاکھوں درہم دیئے گئے۔[27]

مظلوموں کی دادرسی کے لیے جہانگیر کی زنجیر عدل نے بہت شہرت پائی اور اس وجہ سے اسے بادشاہ "عادل" کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ جہانگیر کی خفیہ پولیس بھی بہت منظّم تھی جس کی مدد سے وہ مختلف صوبوں میں متعین اپنے حکام کے شب و روز سے آگاہ رہتا تھا اور ان کی سرگرمیوں کی خبریں بھی مسلسل پہنچتی رہتیں جن کی روشنی میں وہ اپنا لائحہ عمل طے کرتا تھا۔ ان اقدامات کی وجہ سے حکام بہت محتاط ہو گئے اور کسی کے دل میں سرکشی یا رعایا کشی کے خیالات پیدا نہ ہو پاتے۔[28]

وحید حسین جہانگیر کے دربار کا حال بیان کرتے ہیں:

> "The attractive feature of royal court was golden chain and bells hung up by the emperor Jahangir. One end of chain was fastened to the betterment of Shah Burj of the fort at Agra and the other to the stone poet fixed on the banks of the river."[29]

"دربار کے خدوخال میں سب سے زیادہ پرکشش چیز سونے کی زنجیر اور اس کی گھنٹیاں تھیں جنہیں جہانگیر نے لٹکوایا تھا زنجیر کا ایک سرا شاہی برج کے ساتھ نصب کیا گیا تھا۔ جبکہ دوسرا سرا دریا میں موجود ایک پتھر کے ساتھ نصب کیا گیا تھا۔"

لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہانگیر کے دور میں لوگوں کو عدل حاصل کرنے میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا تھا۔ اسی طرح مورخین شاہ جہاں کے دور کو مغلیہ عہد کا سنہری دور کہتے ہیں جو امن وامان، جاہ وثروت اور عام خوش حالی کا دور تھا۔ عبدالحمید لاہوری کے بیان کے مطابق مغل بادشاہوں نے شریعت کو ہندوستان میں زندہ رکھا، بادشاہوں کو جو سجدہ تعظیمی کیا جاتا تھا اس کو منسوخ کرایا، سنہ ہجری کو متعارف کرایا اور پوری سلطنت میں شرعی دستور وآئین کا نفاذ کرایا۔[30] مولوی ذکاءاللہ دہلوی کا بیان اس ضمن میں ملاحظہ ہو کہ وہ جہانگیر کے بارے میں مؤرخین کے منفی بیانات کا رد کرتے ہیں اور ان منفی بیانات کو مؤرخین کے کسی ذاتی عناد کا سبب قرار دیتے ہیں ۔ان کے نزدیک جہانگیر کی سخت گیری اپنے مخالفین اور باغیوں کے حق میں عام بات ہے۔اس کے برعکس جہانگیر جس طرح اپنے حق میں نہایت حریص تھا اسی طرح اپنی رعایا کے لیے بھی حریص تھا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ملکہ نور جہاں کو جو امور سلطنت میں پیش پیش رہتی تھی کو بھی اپنے عدالتی معاملات سے دور رہنے کا حکم دیا تھا اور جب وہ مقدمات کی سماعت کرتا تب اس کے دربار میں ہر طبقے کے افراد بلاخوف وخطر اور بلا روک ٹوک آتے اور اپنی شکایت پیش کرتے۔[31] جہانگیر کے عہد کا ایک واقعہ امیر خان عالم پر قتل کے الزام کا مقدمہ ہے جس کی تحقیقات کے بعد جب خان عالم مجرم ثابت ہوا تو جہانگیر نے اسے سزائے موت دلوائی۔[32] شاہ جہاں نے پوری مملکت میں اسلام کے قانون عدل وانصاف کو رواج دیا۔ ہر شہر، ہر قصبہ میں عدل کے تقاضوں کو سمجھنے والے قاضی مقرر کیے۔اس کا اپنا عالم یہ تھا کہ ہر روز عوام کی شکایتیں سننے کے لیے جھروکے میں آتا ہر ایک شکایت سنتا اور ان کا تدارک کرتا۔ روزانہ اس کے سامنے رعایا کے مقدمے پیش ہوتے اور وہ بڑے فقہاء کی موجودگی میں ان کے مشورے سے ان کے فیصلے کرتا۔ جو مقدمات دور دراز کے علاقوں سے لائے جاتے تھے ان کے لیے مناسب وقت کا تقرر کرکے متعلقہ حکام کو اپنے حضور طلب کرتا وہ ظلم بربریت تشدد اور سختی کو قطعاً ناپسند کرتا تھا۔اس کے عہد حکومت میں عوام نے بڑی سہولتیں پائیں، تعلیم پائی اور اخلاق سدھرے، ہر جگہ امن وامان قائم ہوا۔[33]

بادشاہ کے خلاف آواز کا حق

برصغیر کے مسلمان بادشاہوں میں اورنگ زیب عالمگیر کا عہد اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس نے حکم دیا تھا کہ اگر کسی شخص کے لیے بادشاہ کی طرف سے کوئی شرعی حق تلفی ہوئی ہو تو بے تکلف اس کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرکے تحقیقات کرالی جائے، چونکہ رعایا کے غریب افراد میں تحقیقات کے مصارف ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہوتی تھی اس لیے شرعی وکیل مقرر کردیے کہ وہ ایسے مقدمات کی تحقیق میں سائلین کی ہر ممکن امداد دیں۔ یہ گویا بادشاہ کی طرف سے ہونے والے ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق تھا جو اس نے علی الاعلان رعایا کے ہر فرد کو دے دیا تھا۔[34]

مقدمات رعایا کی سماعت

اورنگ زیب عالمگیر ہر روز دو یا تین مرتبہ خود دیوان عدالت میں بیٹھ کر رعایا کے مقدمات کی سماعت کے بعد ان کا فیصلہ کرتا۔ اس نے داروغہ ہائے عدالت مقرر کیے تاکہ وہ مظلوموں اور دادخواہوں کو ساتھ لائیں اور ان کے مقدمے بادشاہ کے سامنے پیش کریں۔ جا بجا معتمد مقرر کیے۔ اگر متصدیان عدالت ضعیفوں اور مسکینوں کے مقدمات پر توجہ میں دیر کرتے تو انھیں حق تھا کہ معتمدوں کے پاس پیش ہو کر اپنی درخواستیں جمع کرائیں۔ وہ خود ایسی تمام عرضیاں پڑھتا اور ان کے حاشیوں پر اپنے قلم سے جواب لکھتا جو رعایا کی شکایات پر مشتمل ہوتیں۔[35]

حقوق اللہ اور اورنگ زیب عالمگیر

جیسا کہ مقالے کے آغاز میں اس امر کا تذکرہ کیا گیا تھا کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں جہاں حقوق العباد کے تحفظ و فراہمی کا انتظام کرنا شامل ہے وہاں حقوق اللہ کی حفاظت کو تقدم کا درجہ حاصل ہے۔ اس رخ سے جب ہم مغل عہد کا مطالعہ کرتے ہیں تو کتب تاریخ اکبر کے ان اقدامات سے پر ملتی ہیں جن میں حقوق اللہ کی پامالی زور و شور سے کی گئی تھی۔ یہاں چونکہ ان اقدامات کو مختصراً یا تفصیلاً درج کرنے کا موقع نہیں ہے لہٰذا محض چند کتب کا حوالہ دینے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ بقول عبد القادر بدایونی اکبر کے گمراہ اعمال و اقدامات کو اس لیے اس نے اپنی کتاب میں کھل کر ہدف تنقید بنایا تاکہ وہ سرخرو ہو سکے کہ مابعد کے ادوار کو حقیقت پہنچ جائے اور لوگ آگاہ ہو جائیں کہ کس طرح اس دور میں حقوق اللہ کی پامالی ہوئی۔[36] سید ابو الحسن ندوی نے بھی تاریخ دعوت و عزیمت میں اکبر کے اس دور کو تحریر کیا ہے۔[37] اکبر کے اس فعل کا ازالہ بتدریج مابعد کے مغل فرماں رواؤں جہانگیر، شاہ جہاں اور بالخصوص اورنگ زیب عالمگیر نے کیا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے تمام غیر شرعی احکام و شرائع ختم کرا دیئے۔ اسلامی شریعت کو مضبوطی سے نافذ کرنے کے ہر ممکن اقدامات کیے اور اس بات کو بارہا دہرایا کہ وہ ہر وہ کام کرے گا جس کی بدولت وہ بارگاہِ الٰہی میں سرکش شمار نہ ہو۔ اس کے ان نمایاں اقدامات کا اعتراف کرتے ہوئے اسے محی الدین کے لقب سے ملقوب کیا جاتا ہے۔[38] اس طرح ہم کہہ سکتے کہ اکبر کے اعمال قبیحہ کے نتیجے میں باغی قرار دیئے جانے کے لائق مغل دور حکومت اورنگ زیب عالمگیر کے لائق تحسین اعمال کے ذریعے سے اس الزام سے بچ گئی۔ اس ازالے کے بعد مغل دور حقوق اللہ کے تحفظ کی کاوشوں کے لحاظ سے بھی نمایاں ہو گیا۔

خلاصہ بحث

غرض برصغیر پاک و ہند میں ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کی وہ صفات جو اس کے زوال کا سبب بنیں وہ ان کی ظالمانہ اور غاصبانہ روش تھی جس نے سب سے پہلے اپنے ہی ہم مذہبوں اور ہم وطنوں کو شکار کیا۔ ہندو ظالم و جابر حکمرانوں نے اپنی مظلوم رعایا پر ہر طریقے سے ظلم و ستم ڈھایا۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت ہندوستان کے حکمرانوں کا یہی طرزِ عمل تھا۔ اس کے برعکس مسلمان فرماں رواؤں نے یہاں بلا تفریق مذہب و مقام، مظلوم کی داد رسی اور عفو و درگزر دونوں کا حق دیا۔ اس طرح رعایا نہ صرف ان سے خوش رہی بلکہ یہاں اسلام سب سے بڑا مذہب بن گیا۔ خاص طور پر مغل بادشاہت کی اس ضمن میں مثال دی جا سکتی ہے جنہوں نے طویل مدت تک محض طاقت کے زور پر حکومت نہیں کی بلکہ رعایا کو انصاف فراہم کرتے ہوئے ان کی خوش حال زندگی کے لیے ہمہ وقت مصروف نظر آئے۔ ان پر

ظلم کی روک تھام کے انتظام کے لحاظ سے مغل دور حکومت منفرد حیثیت سے کتب تاریخ میں اپنا مقام حاصل کر چکا ہے۔ اپنے اس دعویٰ کے دلائل اس مقالہ میں ہم نے خاطر خواہ پیش کر دیے ہیں، رہے وہ واقعات جو مغل بادشاہت کی عیش و عشرت کے جابجا ملتے ہیں تو اس رخ پر مغل بادشاہت کی تاریخ رقم کرنے پر ہم یوں نقد کرنا چاہتے ہیں کہ مؤرخین نے محلاتی امور پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھی، بادشاہوں کے ذاتی نقائص اور درپیش خطرات اور سازشوں کے ازالے کے واقعات کو دلچسپ یا عبرت انگیز بنا کر ان کو نمایاں طور پر بیان کرتے رہے لیکن عام انسانوں کے احوال و واقعات اور گذشتہ ادوار کی نسبت مغل دور میں معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور علمی عروج و زوال پر اپنی ماہرانہ رائے سے اپنی کتب کو خالی رہنے دیا۔ اس کی ایک مثال عبد القادر بدایونی کی منتخب التواریخ ہے جس کا اگر باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو تب کہیں جا کر مغلوں کی دانش مندی کا کوئی کارنامہ ملتا ہے جو اس مؤرخ نے یہاں قلم بند کیا، جیسا کہ ایک مقام پر لکھتا ہے کہ اکبر نے یہ فرمان جاری کیا کہ ہندوؤں کے معاملات کا فیصلہ مسلمان قاضی نہ کرے۔ اس فرمان کو جہاں دیگر محققین تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہاں بدایونی نے اس کو بھی منفی رخ سے درج کیا ہے۔[39] فی الحقیقت جن کتب کے حوالے ہم نے اپنے اس مقالے میں دیئے ہیں ان مؤرخین نے مغلیہ دور میں ہونے والے عدل و انصاف اور مظلوموں کی دادرسی کے لیے ہونے والے انتظامات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

References

[1] المائدہ ۵:۸

[2] شبیر احمد عثمانی، حاشیہ القران، تاج کمپنی، لاہور، ص:190

[3] ابوداؤد، کتاب الفتن الملاحم، باب الامر والنھی، موسوعہ الکتب الستہ، دارالسلام للنشر والتوزیع، المملکہ السعودیہ، 2000، رقم الحدیث:4338، ص:1539

[4] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم، باب اعن اخاک ظالما او مظلوما، موسوعہ الکتب الستہ، دارالسلام للنشر والتوزیع، المملکہ السعودیہ، 2000، رقم الحدیث:۲۴۴۴، ص:192

[5] عبدالغفار، عبدالغفار، شرعی سزاؤں کی تنفیذ میں حکومتی اور عدالتی اختیارات مشکلات وتدارک، جہات السلام، دسمبر 2016، ج10، ش1، ص 135

[6] مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، رقم الحدیث 3365

[7] شبلی نعمانی، الفاروق، دارالاشاعت کراچی، 178/2

[8] مسلم، الجامع الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ، رقم الحدیث 244

[9] Zahirud-Din-Muhammad Babur Ghaznavi, Babur Nama, (Translated by: Annette S. Beveridge) Sang e Meel Publications, Lahore, 2008

[10] Gul-Badan Begum, Humayun Nama, (Translated by: Annette S. Beveridge), Royal Asiatic Society, London, 1902

[11] Abu al Fazal, The Akbar Nama, (Translated by: H.Beveridge), Sang e Meel Publications, 2005

[12] عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ،(مترجم محمود احمد فاروقی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س ن

[13] محمد ساقی مستعد خان، ماثر عالمگیری،(مترجم: محمد فدا علی طالب)، بک لینڈ کراچی، 1961

[14] ابوالفضل، آئین اکبری،(مترجم: محمد فدا علی مولوی)، سنگ میل پبلیکشنز لاہور، 1988

[15] Colin Pual Mitchell, Sir Thomas Roe and the Mughal Empire, ASCE Area Study Centre for Europe, 2000 H.

[16] M. Elliot John Dowson, Studies in Indian History, Susil Gupta Calcutta, 1954

[17] Gabrelle Festing, When Kings Rode to Delhi, William Blackwood and Sons Edinburgh and London, 1923

[18] مولانا سلیمان ندوی، مقالات شبلی، اعظم گڑھ، ۱۹۳۸ء، ص ۸۶

[19] Banarsi Prasad Saksena, History of ShahJahan of Delhi, The Indian Press LTD, Allahabad ,1932, P: 277

[20] Banarsi Prasad Saksena, History of ShahJahan of Delhi, The Indian Press LTD, Allahabad , 1932, P: 278

[21] Beni Prasad, History of Jahangir, The Indian Press LTD, Allahabad, 1930, P: 89

[22] Sailendra Nath Sen, A Text Book of Medieval Indian History, Primus Books, 2013, P: 151

[23] ذکاءاللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان، شمس المطابع، دہلی، 1897، 760/5

[24] Beni Prasad, History of Jahangir, The Indian Press LTD, Allahabad, 1930, P: 286-287

[25] Beni Prasad, History of Jahangir, The Indian Press LTD, Allahabad, 1930, P: 83-84

[26] Banarsi Prasad Saksena, History of ShahJahan of Delhi, The Indian Press LTD, Allahabad ,1932, P: 293-299; Abdul Hamid Lahori, ShahJahan, (Translated by: H M Elliot), Hafiz Press Lahore, 1924, P:154 https://archive.org/stream/cu31924006140374#page/n5/mode/2up, cited on: 03/11/2019

[27] ڈاکٹر نور احمد شاہناز، تاریخ نفاذ حدود، ص ۲۶۳، فاضلی سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، اُردو بازار، کراچی، ۱۹۹۸ء

[28] Wahid Hussain, The Administration of Justice during the Muslims in India, University of Calcutta, 1932, 40

[29] Wahid Hussain, The Administration of Justice during the Muslims in India, University of Calcutta, 1932, 41

[30] رشید اختر ندوی، مسلمان حکمران، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 2009، ص ۵۲۸

[31] ذکاءاللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان، شمس المطابع، دہلی، 1897، 266/6

[32] جمیل یوسف، بابر سے ظفر تک، کتاب گھر، اسلام آباد، ص140

[33] رشید اختر ندوی، مسلمان حکمران، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 2009، ص۵۲۸

[34] Vincent A. Smith, The Oxford History of India, Oxford University Press, 2001, P: 417

[35] Vincent A. Smith, The Oxford History of India, Oxford University Press, 2001, P: 416

[36] عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، (مترجم محمود احمد فاروقی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س ن، ص483

[37] ابوالحسن ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 108/4

[38] ابوالحسن ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 333/4

[39] عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، (مترجم محمود احمد فاروقی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س ن، ص529